ڈاکٹر ماہر حسن فہمی نے اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ

"اگر ہم اس جماعت کے لوگوں کی شاعری کا مطالعہ کریں تو ہمیں ان کے یہاں صرف رنج و غم ملے گا۔ جیسا کہ مطران کی شاعری میں ہے۔ یہی چیز عقاد، شکری اور مازنی کے یہاں بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے مغرب کے رومانی شعراء کا مطالعہ کیا تھا۔ انھیں کے اثرات ان لوگوں پر مترتب ہیں ابوشادی، صیرفی، علی محمود طہ، ناجی، محمود حسن اسماعیل، شیبوب، محمود غنیم اجمی اور العوض الوکیل کی شاعری اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے[1]۔"

ابراہیم ناجی ایک مجلسی شخص تھا۔ اس کے دل میں لوگوں کے لئے نرم گوشہ تھا، لوگوں سے ملتا، وہ سماجی، ملنسار اور خوش مزاج آدمی تھا۔ بہ بانگ دہل اپنے قصائد، تنظیموں اور مجالس میں سناتا۔ اخبارات و رسائل کے صفحات کو زینت بخشتا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اس کے انتقال کے بعد "دائرہ المعارف" نے اس کا تیسرا دیوان "الطائر الجریح" شائع کیا[2]۔

ابراہیم ناجی جدید شعراء کی صف اول میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کی شاعری میں نیا اسلوب اور جدید لب و لہجہ ہے۔ اللہ نے اسے بے پناہ صلاحیتوں اور لیاقتوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنے اشعار کی بدولت تاریخ ادب عربی میں ایک اہم مقام کا مالک بنا۔ اسے شاعری کی رموز و نکات پر عبور حاصل تھا۔ وہ سچے جذبات کا حامل اور

۱۔ تطور الشعر الحدیث فی مصر ص ۱۹۰۔

۲۔ الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۵۶۔